التفسیر الکاشف......عصرِ حاضر کی ایک جدید شیعہ تفسیر

(تنقیدی جائزہ)

ضیاءالرحمٰن☆

ABSTRACT

Recently in past, related to Shia school of thought, having penetrated ideology and commentator of Holy Quran Al-Shaikh Muhammad Jawad Mughniya (1904-1979) faced the modern approaches of infidels in a positive attitude and arranged them in the column of words ie: "Al-Tafseer-ul-Kashif". The topic of the article is the proper form of introduction, explanations and as well as distinctions. The topic is also very important in the context that in this current age the temperance level, harmony and tolerance are required that is not essantial before through out the past. And this Tafseer although representing partiality but there is a clear vision of forbearance.

☆ لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور۔

التفسیر الکاشف......عصرِ حاضر کی ایک جدید شیعہ تفسیر

(تنقیدی جائزہ)

محمد جواد مغنیہ (۱۹۰۴ء-۱۹۷۹ء) ماضی قریب کے ایک معتدل فکر کے حامل، شیعہ مکتبہ فکر سے وابستہ، لبنان کے رہنے والے عالم دین تھے۔آپ مصنفِ کتب کثیرہ ہیں مگر آپ کی تفسیر ''التفسیر الکاشف'' سلسلہ تفاسیر قرآن میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔علامہ مغنیہؒ کی یہ تفسیر مکمل قرآن مجید کی تفسیر ہے۔آپ نے اس کا آغاز سورۃ الفاتحہ سے کیا۔پہلی جلد مکمل کرنے کے بعد علامہ کے ذہن میں کیا خیالات تھے؟ اور تفسیر مکمل کرنے کے بعد وہ اس پر خوشی کا اظہار کن الفاظ میں کرتے ہیں؟ مقدمہ تفسیر میں وہ لکھتے ہیں:

”وقد تم منه بحول الله وقوته، وتوفيقه وفضله هذا الجزء الذى اقدم له، وفيه تفسير سورتي الحمد والبقرة بكاملها، ولا ادري: هل تمتد بي الحياة الى النهاية، وارى نتاج ماضحيت وقاسيت، أو ان الاقدارقد تتصرف عكس ما رسمت وأردت؟. واذا تم (التفسير الكاشف) كما أريد، فهل يُكتب له من الرواج ما كُتب لغيره مما ألفت ونشرت؟ وفى حال تمامه ورواجه، هل يثمر كتاباً يأتى من بعده“۔(۱)

یعنی وہ جلد اول کے مکمل ہونے پر خدائے وحدہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا تھا کہ میں اس بڑے کام (التفسیر الکاشف) کو اپنی زندگی میں مکمل کر پاؤں گا یا نہیں۔اسی کشمکش کے ساتھ میں نے کام جاری رکھا اور میرے خیال کے برعکس اللہ کی مدد اور توفیق سے یہ تفسیر مکمل ہوگئی، اور میں نہیں جانتا کہ اب اسے قبولیت ملتی ہے یا نہیں۔

اب ان ساتوں جلدوں میں سے، ہر ایک میں، قرآن کریم کے کس حصہ کی تفسیر پیش کی گئی ہے؟ اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

جلد اول:	سورۃ الحمد و سورۃ البقرۃ	۴۶۷ صفحات
جلد دوم:	سورۃ آل عمران و سورۃ النساء	۵۱۸ صفحات
جلد سوم:	سورۃ المائدۃ تا سورۃ الانفال	۵۲۶ صفحات
جلد چہارم:	سورۃ التوبۃ تا سورۃ النحل	۵۷۵ صفحات
جلد پنجم:	سورۃ الاسراء تا سورۃ الشعراء	۵۳۴ صفحات
جلد ششم:	سورۃ النحل تا سورۃ الزخرف	۵۷۴ صفحات
جلد ہفتم:	سورۃ الدخان تا سورۃ الناس	۶۳۹ صفحات

سات جلدوں اور ۳۸۳۳ صفحات پر مشتمل یہ ضخیم تفسیر کئی مرتبہ بیروت (لبنان) سے شائع ہو چکی ہے، آخری مرتبہ الطبعة

الثالثة کے طور پر ۲۰۰۰ کی تعداد میں سن ۱۴۲۶ھ بمطابق ۲۰۰۵ء میں اس تفسیر کو دار الکتاب الاسلامي بیروت نے شائع کیا ہے۔

الشیخ محمد جواد مغنیہؒ نے اس تفسیر کو عربی زبان میں لکھا ہے۔ اس تفسیر کا سوائے SWAHILI زبان کے کسی اور زبان میں ترجمہ نہیں ہوا، اور یہ ترجمہ بھی انٹرنیٹ پر دستیاب ہے۔ تفسیر الکاشف کا SWAHILI زبان میں ترجمہ Sheikh Hassan. A.Mwalupa نے ۳۰ جلدوں میں کیا ہے اور یہ فروری ۲۰۰۴ء میں العترة فاؤنڈیشن، دار السلام، تنزانیہ سے زیور طبع سے آراستہ ہوا ہے۔ (۲)

مقصد تالیف:

محمد جواد مغنیہؒ نے اپنی تمام تصانیف جدید نسل (New Generation) کے جدید ذہنوں کے اشکالات و شبہات کو مدنظر رکھ کر لکھی ہیں، وہ جدید نسل کی گمراہی پر کافی فکرمند دکھائی دیتے ہیں اور اس گمراہی کے سدباب کے لئے سرگرداں نظر آتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کی دنیا کے ہر واقعہ کے فطری اسباب ہوتے ہیں۔ ہر طوفان، زلزلہ، جہالت، فقر بلکہ ہر ایمان اور ہر کفر کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے۔ جدید نسل کا دین اور اصول دین سے دور ہونے کا سبب یورپ کا غلبہ ہے۔

صاحب تفسیر نوجوان نسل کا گمراہی میں شکار ہونے کا سبب بیان کرنے کے بعد اس کا علاج بھی تجویز کرتے ہیں اور نوجوان نسل کو عمل پر ابھارتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علینا أن نعمل جهد المستطیع، ولا ننتظر معجزة السماء، والعمل الذی نستطیعه آلان هو". (۳)

یعنی وہ لکھتے ہیں کہ یہ کام آسان نہیں ہے، اس کام کے لئے لازم ہے کہ سمجھدار اور باشعور مسلمان اکٹھے ہو کر مستقل مزاجی اور اخلاص کے ساتھ موجودہ اخلاق و عادات کو بدلیں اس کے لئے طویل محنت اور جہاد درکار ہے، ہمیں کسی غیبی امداد اور آسمانی معجزہ کا انتظار نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہمیں فوراً تین کام اپنے اوپر لازم کرلینے چاہئیں:

۱۔ دینی مدارس قائم کریں اور ان میں بالخصوص ناظرہ قرآن اور فہم القرآن کی تعلیم عام کریں اور ان دینی مدارس میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید عصری علوم کی تعلیم بھی عام کریں۔

۲۔ ہر دیندار اور تعلیم یافتہ انسان پوری محنت اور اخلاص کے ساتھ جدید نسل کی اصلاح کے لئے کوشش کرے اور اپنی زندگیاں اسی کام کے لئے وقف کریں۔

۳۔ دینی علوم کو آسان فہم بنا کر پیش کیا جائے اور مغربی تہذیب کے غلبہ کی وجہ سے جدید نوجوان نسل کے قلوب و اذہان میں جو اشکالات اور شکوک و شبہات پیدا ہو رہے ہیں ان کو عقلی و نقلی دلائل سے رفع کیا جائے اور اسلامی حقائق کو جدید اسلوب سے اجاگر کیا جائے۔

مندرجہ بالا تین نکات ذکر کرنے کے بعد صاحب تفسیر مقصد تالیف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"وسیجد القارىء الدليل على ذلک فی هذا التفسير الذی يربط الدين بالحياة بشتى مظاهرها، ويهتم بالجانب الانساني أكثر مما يهتم ببلاغة الكلمة". (۴)

تفسیری علوم:

ایک مفسر کے لئے جن علوم کا جاننا ضروری ہے ان کی تفصیل علماء اصول نے بیان کی ہے۔ علامہ جلال الدین السیوطیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر کرنے کے لئے پندرہ علوم ضروری ہیں اور کسی بھی شخص کو قرآن کی تفسیر کرنے کا حق نہیں جب تک کہ وہ ان تمام علوم میں ماہر نہ ہو۔

۱۔ لغت عربیہ	۲۔ علم النحو	۳۔ علم الصرف
۴۔ علم الاشتقاق	۵۔ علم المعانی	۶۔ علم البیان
۷۔ علم البدیع	۸۔ علم القرائت	۹۔ اصول الدین
۱۰۔ اصول فقہ	۱۱۔ علم ناسخ ومنسوخ	۱۲۔ علم الحدیث
۱۳۔ علم الموہبہ	۱۴۔ علم اسباب النزول والقصص۔	

۱۵۔ فقہ، یعنی احکام شرعیہ سے متعلق تفصیلی جزئیات اور فروع کا علم۔ (۵)

محمد جواد مغنیہؒ نے بھی مقدمۃ التفسیر میں ایک مفسر کے لئے جن علوم کا جاننا ضروری ہے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''التفسير في اللغة الاستبانة، وفي الاصطلاح علم يُبحث فيه عن معاني الفاظ القرآن وخصائصه. ولا بد لهذا العلم من معدات ومؤهلات، منها العلوم العربية بشىء اقسامها، وعلم الفقه واصوله، ومنها الحديث وعلم الكلام، ليكون المفسر على بينة مما يجوز على اللّٰه وانبيائه. وما يستحيل عليه وعليهم، ومنها كما يرى البعض علم التجويد والقرائت''۔(۶)

یعنی تفسیر لغت میں ظاہر کرنے کا نام ہے اور اصطلاح میں تفسیر وہ علم ہے جس میں قرآن کے الفاظ کے معانی اور خصائص پر بحث کی جاتی ہے۔ تفسیر کے لئے کئی علوم کی ضرورت ہے، ان میں علم الفقہ، علم اصول الفقہ، علم الحدیث اور علم الکلام وغیرہ۔ جبکہ بعض کے نزدیک علم التجوید وقرائت کا ہونا بھی ضروری ہے۔

ایک اور مقام پر محمد جواد مغنیہؒ آیت ﴿وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لاَ يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلاَّ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلاَّ يَظُنُّونَ﴾(۷) کے تحت اصول اور قواعد تفسیر بیان کرتے ہیں:

"وفي هذه الآية دلالة واضحة على أن تفسير الكتاب والسنة لا يجوز بالتخرص والظن، بل لا بد قبل كل شيء من العلم بقواعد التفسير وأصوله، ومراعاة هذه القواعد في بيان مراد الله ورسوله حذراً من الكذب عليهما، والنسبة اليهما دون مبرر شرعي.
وأول شروط لصحة التفسير القراءة والكتابة، ثم العلوم الربية بشتى أقسامها من معرفة مفردات اللغة، والصرف والنحو، وعلم البيان، والفقه واصوله، وعلم الكلام، والالمام ببعض العلوم الأخرى التي يتصل بها تفسير بعض الآيات، على ان هذه يمكن للمفسر أن يرجع في معرفتها لأهل الاختصاص". (۸)

یعنی یہ آیت اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ کتاب وسنت کی تفسیر اندازے اور گمان کے ساتھ جائز نہیں ہے بلکہ مفسر کے لئے قواعد واصول تفسیر جاننا از حد ضروری ہیں۔ یہ بات بھی ضروری ہے کہ ان قواعد سے اللہ اور اس کے رسول کی مراد بیان کرنے کا خیال رکھا جائے اور ان پر جھوٹ بولنے سے بچا جائے۔

مفسر لکھتا ہے کہ تفسیر کی صحت کے لئے پہلی شرط قرا ئت اور کتابت ہے۔ پھر عربی علوم کی مختلف اقسام کی معرفت ضروری ہے۔ جیسا کہ مفردات اللغۃ، علم الصرف والنحو، علم البیان، فقہ واصول فقہ، علم الکلام اور بعض دوسرے علوم جن کا تعلق بعض آیات کی تفسیر کے ساتھ ہے۔ اور یہ تب ممکن ہوگا جب وہ ان کی معرفت میں تخصص کے لئے اہل علم سے رجوع کرے گا۔

صاحب تفسیر الکاشف نے اس کے بعد چند اہم نکات کی طرف توجہ دلائی ہے جس کا جاننا بھی ایک مفسر کے لئے ضروری ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

''یہاں ایک اور چیز ہے جس کا مفسر محتاج ہوتا ہے اور وہ بہت اہم اور عظیم چیز ہے جس کا ذکر مفسرین عظام اپنی تفاسیر کے مقدمہ میں کرتے ہیں کیونکہ اللہ کے کلام کو سمجھنے کیلئے وہ اولین چیز ہے۔ یعنی کوئی شخص بھی قرآن کے مفہوم کا حقیقت پر ادراک اور اس کی عظمت کا تعارف نہیں کر سکتا مگر وہی جو اس کو گہری نظروں سے محسوس کرتا ہے اور اپنے دل وعقل کے ساتھ غور وفکر کرتا ہے اور اپنے ایمان کو اپنے خون اور گوشت کے ساتھ ملاتا ہے۔

نیز میں (صاحب التفسیر الکاشف) قرآن کریم کی آیات میں اس بات کو جاری رکھوں گا جس کو مفسر کوئی نئی چیز سمجھ کر نہیں لائے اگر چہ مکمل تفسیر میں سوچ ایک ہی ہے۔ قرآن کریم کے مفاہیم میں بہت وسعت پائی جاتی ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جو اس کی وسعت تک پہنچ پاتے ہیں۔ ہر مفسر کو اس کی کوشش اور محنت کے اعتبار سے معارف کا خزانہ مل جاتا ہے۔ پس جب پہلے مفسر اس کی حدود سے واقف ہوئے پھر بعد میں آنے والوں پر ان کی خطا واضح ہوئی۔ میرے لئے اور بھی بہت آراء ونظریات واضح ہوئے ہیں۔ میں نے کلام اللہ پر کافی غور وفکر کیا ہے جس سے یہ واضح ہوا کہ تقویٰ کے بغیر ایمان نہیں اور اسلام کے اصول میں سے کوئی بھی ایسی اصل یا

فروع میں سے کوئی بھی ایسی فرع نہیں ہے جو اللہ پر ایمان لانے پر نہ ہو۔ اس کے علاوہ بھی کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کو قاری کتابوں کے ڈھیر میں پاتا ہے، میں نے خاص طور مستقل عنوان کے ساتھ ان موضوعات کا اہتمام کیا ہے جو ان پر دلالت کرتے ہیں''۔(۹)

خصوصیات التفسیر الکاشف:

مذکورہ تفسیر کی چند وہ خصوصیات ذکر کی جاتی ہیں جو کہ اسے دیگر تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں:

۱۔ تفسیر الکاشف میں قرآن کریم کے متن پر ہونے والے جدید دور کے سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ صاحب تفسیر نے سرسیّد کی طرح خالص عقلی اسلوب نہیں اپنایا بلکہ منقولی اور سلفی اسلوب کی جھلک نظر آتی ہے۔ یعنی تفسیر بالرائے نہیں ہے۔ البتہ مصنف کا اسلوب دونوں کے درمیان ہے مثلاً شیطان کی بحث میں (تعوذ کے تحت) انہوں نے شیطان کے مستقل وجود کا نہ اقرار کیا ہے اور نہ ہی انکار کیا ہے۔(۱۰)

ایک اور مثال بھی دیکھی جاسکتی ہے کہ صاحب تفسیر الکاشف عقلی تفسیر کرنے والوں کی طرح عذابِ قبر، جنت و جہنم کا انکار نہیں کرتے مگر جنت کی نعمتوں اور آسائشات کو روحانی یعنی غیر حسّی قرار دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

''وأیضاً قیل: ان ملذات الجنة کلها روحیة، لا شائبة فیها لمادة أو جنس، وان ذکر الحور والفاکهة والکأس هو مجرد رمز واشارة بلذة الجسم الی لذة الروح، وان السرر کنایة عن الدرجات والمراتب''(۱۱)۔

۲۔ اکثر مقامات پر صاحب تفسیر الکاشف آیات کا مکمل مفہوم پیش نہیں کرتے بلکہ بعض آیات کی مشکلات ہی حل کرتے ہیں یعنی سوالوں کے جوابات دیتے ہیں۔ یہی اسلوب صاحب تفسیر تدبر قرآن امین احسنؒ اصلاحی کا ہے حتیٰ کہ السیّد مودودیؒ نے بھی اسی اسلوب کو اختیار کیا ہے کہ بعض آیات کے مفہوم کو ترک کردیتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الفاتحہ میں آیت قرآنی ﴿غیر المغضوب علیهم ولا الضالین﴾ کا مفہوم صاحب تفسیر الکاشف نے بیان ہی نہیں کیا۔

۳۔ جدید اسلوب کے مطابق تو ہر سورۃ کے آغاز میں اس کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے لیکن صاحب تفسیر الکاشف نے اس اسلوب کو ترک کردیا ہے۔

۴۔ ہر سورۃ کی تشریح میں سب سے پہلے چند آیات کا ایک گروپ تحریر کردیا جاتا ہے اور اس گروپ کو تحریر کرنے سے قبل اس کا ایک عنوان بھی قائم کیا جاتا ہے اور عموماً وہ عنوان انہی آیات میں سے کسی آیت کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:

(i) سورۃ البقرۃ کی آیت ۳ تا ۵ کے اوپر یہ عنوان قائم کیا ہے ''الذین یؤمنون بالغیب''۔(۱۲)

(ii) سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۵،۱۶ کے اوپر یہ عنوان قائم ہے ''قد جاء کم من اللّٰہ نور''۔(۱۳)

(iii) سورۃ الأنعام کی آیت ۶۸ تا ۷۰ کے اوپر یہ عنوان قائم کیا ہے "حتي يخوضوا في حديث غيره"۔(۱۴)

(iv) سورۃ مریم کی آیت ۸۸ تا ۹۸ کے اوپر یہ عنوان قائم کیا ہے "قالوا اتخذ الرحمٰن ولداً"۔(۱۵)

(v) سورۃ الحجرات کی آیت ۱ تا ۵ کے اوپر یہ عنوان قائم کیا ہے "لا ترفعوا أصواتكم فوق صوت النبي"۔(۱۶)

اور کبھی وہ عنوان خالص اپنے علمی ذوق کے مطابق رکھا جاتا ہے آیت کے کسی حصے کا ٹکڑا نہیں ہوتا بس ان آیات کے گروپ کے موضوع کے ساتھ مطابقت کی جاتی ہے، لیکن ایسی مثالیں شاذ ہیں۔ اس کی بھی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:

(i) سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶۷، ۲۶۸ کے اوپر یہ عنوان قائم کیا ہے "الانفاق من الطيبات". چونکہ ان آیات میں انفاق فی سبیل اللہ کا تذکرہ ہے اس لئے مفسر نے یہ عنوان باندھا ہے حالانکہ مذکورہ دونوں آیات میں الانفاق من الطیبات کے الفاظ نہیں ہیں۔(۱۷)

(ii) سورۃ النساء کی آیت ۲۲، ۲۳ کے اوپر یہ عنوان قائم کیا ہے "المحرمات في الزواج". ان آیات میں محرمات نکاح کا تذکرہ ہے اس لئے الشیخ مغنیہؒ نے یہ عنوان قائم کردیا ہے۔(۱۸)

(iii) سورۃ یٰسٓ کی آیت ۵۵، ۶۸ کے اوپر یہ عنوان قائم کیا ہے "أصحاب الجنة وأصحاب النار". چونکہ ان آیات میں اہل جنت واہل جہنم کا تذکرہ ہے اس لئے الشیخ محمد جوادؒ نے یہ عنوان قائم کردیا ہے۔(۱۹)

(iv) سورۃ الطّور کی آیت ۲۹ تا ۴۴ کے اوپر یہ عنوان قائم کیا ہے "لا عذر لمن أنكر نبوة محمد". ان آیات میں حضرت محمد ﷺ کی نبوت ورسالت کا تذکرہ ہے اس لئے الشیخ محمد جوادؒ نے یہ عنوان قائم کردیا ہے۔(۲۰)

(v) سورۃ النحل کی آیت ۱۰ تا ۱۹ کے اوپر یہ عنوان قائم کیا ہے "التذكير بنعم الله". ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا ذکر ہے جو کہ اسی دنیا میں اس نے اپنے بندوں پر کی ہیں۔ اس لئے الشیخ محمد جوادؒ نے یہ عنوان قائم کردیا ہے۔(۲۱)

صاحب تفسیر نے اکثر مقامات پر آیات کے گروپ کے نیچے تین ذیلی عنوانات قائم کئے ہیں۔

۱. اللغة. ۲. الاعراب. ۳. المعنى.

لغت میں تو وہ نادر اور مشکل الفاظ کے لغوی معانی بیان کرتے ہیں پھر اعراب میں صرفی نحوی وضاحت کی جاتی ہے، اس کی تفصیل مع امثلہ اگلی فصل میں بیان کی جائے گی۔ اس کے بعد آخری عنوان "معانی" کے تحت، ان آیات کے گروپ کے تحت اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ الشیخ محمد جواد مغنیہؒ مذکورہ ترتیب کے متعلق مقدمہ تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وما الى ذلك، كما خصصت لكل آية – في الغالب – فقرة بعنوان (اللغة) لتفسير بعض المفردات غير المألوفة المعروفة، وأخرى بعنوان (الاعراب) لبيان الأحكام النحوية لكلمة مشكلة.. مع العلم بأن التفاسير الحديثة قد أغفلتها، ولكني راعيت رغبة بعض القراء، وان ندروا؛ أما علم البديع والبيان، والتنظيم والترصيف فقد تركته لكشاف

الزمخشری، والبحر المحیط للأندلسی الغرناطی، وغیرهما ممن تعرضوا لذلک"(۲۲).

وہ کہتے ہیں کہ میں نے بالعموم ہر آیت کے تحت ایک خاص عنوان قائم کیا ہے مثلاً ایک عنوان ہے ''اللغة'' اس میں مفرد اور غریب الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے اور ایک عنوان ہے ''الاعراب'' اس میں مشکل تراکیبِ نحو یہ ذکر کی گئی ہیں۔ اگر چہ جدید مفسرین نے اس کو ذکر کرنا چھوڑ دیا ہے لیکن کچھ قارئین کے ذوق وشوق کی وجہ سے میں نے اس کا اہتمام کیا ہے۔ باقی جہاں تک تعلق ہے علم البیان والبدیع کا تو میں اس کے قریب سے بھی نہیں گزرا کیونکہ اس پر الکشاف للزمخشری اور البحر المحیط للاندلسی وغیرہ میں بہت کام ہو چکا ہے۔

معتدل طرزِ تفسیر:

صاحب تفسیر الکاشف ایک ممتاز شیعہ عالم دین ہیں۔ جس کی بناء پر آپ اکثر مقامات پر شیعہ عقائد ونظریات کو بیان کرتے ہیں اور اس کے حق میں دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن آپ کی تفسیر کی ایک خوبی یہ ہے کہ جہاں شیعہ کا موقف پیش کرتے ہیں تو ساتھ ہی اہلِ سنت کی تفاسیر کا حوالہ بھی دیتے ہیں اور بعض مقامات پر جہاں فریقین میں شدت پائی جاتی ہے وہاں اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

جیسا کہ اس آیت قرآنی ﴿ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَاماً آلِهَةً إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴾ (۲۳) کے ضمن میں انبیاء کرام کے آباؤ اجداد کے متعلق مختلف نقطہ ہائے نظر بیان کرتے ہیں۔ شیعہ نبی کریم ﷺ کے آباؤ اجداد بلکہ تمام انبیاء کے آباؤ اجداد کو موحد قرار دیتے ہیں جبکہ صاحب تفسیر المنار اور امام رازیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ نبی کے آباؤ اجداد میں مشرک اور ملحد بھی ہوسکتا ہے۔

صاحب تفسیر الکاشف اہلِ سنت وشیعہ کا مؤقف درج کرنے کے بعد آخر میں حاصل کلام کے طور پر معتدل رویہ اختیار کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں کہ:

"وعلی أیة حال، فلا جدوی من هذا النزاع، وبسط الکلام فیه تکثیر له من غیر طائل، لأنه لا یمت الی عقیدة الاسلام بصلة، فان المطلوب من المسلم الایمان بالنبوة محمد ﷺ وعصمته، وأنه سید الانبیاء وخاتمهم، أما الایمان بأن جمیع آبائه وأجداده موحدون، وانه آزر عم ابراهیم لا أبوه، أما هذا فلیس من عقیدة الاسلام فی شئی"(۲۴)۔

یعنی کوئی بھی صورت ہو ہمیں اس نزاع سے پہلو تہی کرنا چاہئے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ مسلمان کو چاہئے کی وہ محمد ﷺ کی نبوت وعصمت پر ایمان لائے اور یہ مانے کہ آپ سید الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہیں۔ جہاں تک اس بات پر ایمان لانے کا تعلق ہے کہ آپ کے تمام آباؤ اجداد موحد تھے اور آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا نہ کہ اس کا باپ تھا۔ تو اس بات کا عقیدہ اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے تو مفسرین نے اسرائیلیات بیان کرتے ہوئے اُس شخص کے متعلق بہت اقوال درج کئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو دریا کے کنارے ملا تھا۔ محمد جواد مغنیہؒ اس اختلاف کو یوں بیان کرتے ہیں:

"أما الذی قال لہ موسیٰ: ﴿هَلْ أَتَّبِعُکَ عَلَى أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْداً﴾ [الکهف ۱۸: ۶۶] فالمعروف بین الناس انه الخضر، ولکن الله سبحانه سکت عن اسمه، واسم فتی موسی. وقیل: ان الخضر لقب، أما اسمه فبلیا بن ملکان، واختلفوا: هل هو نبی أو ولی؟. وأیضاً قیل: انه من المعمرین الأحیاء الی یوم یبعثون"۔(۲۵)

یعنی صاحب تفسیر لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے جس شخص سے یہ کہا تھا کہ ﴿هَلْ أَتَّبِعُکَ عَلَى أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْداً﴾(۲۶) تو اس کے متعلق لوگوں میں یہی معروف ہے کہ اس کا نام خضر تھا۔ لیکن کتاب اللہ نے اس کے نام پر اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو نوجوان تھا خاموشی اختیار کی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خضر اس کا لقب تھا اور فبلیا بن ملکان اس کا نام تھا۔ اہل علم نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے کہ آیا وہ نبی تھا یا ولی؟۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ایسا معمر ترین شخص تھا جو کہ قیامت تک زندہ رہے گا۔

ساری بحث درج کرنے کے بعد صاحب تفسیر الکاشف اپنا کھرا، دوٹوک اور اعتدال پر مبنی مؤقف پیش کرتے ہیں کہ:

"أما نحن فنلتزم السکوت عن نبوته و حیاته اذ لا دلیل قاطع للشک من الکتاب أو السنة علی واحدة منهما، ولا یمتان الی عقیدتنا وحیاتنا بصلة. وقال البعض: انه من الملائکة. وهذا أبعد الأقوال"(۲۷)۔

یعنی ہم پر لازم ہے کہ ہم اس شخص (خضر) کی نبوت اور زندگی پر خاموشی اختیار کریں جس کے متعلق قرآن وحدیث میں کوئی ایک بھی قطعی دلیل وارد نہیں ہوئی اور نہ ہی ہمارے عقیدے یا زندگی کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا کہ وہ (خضر) فرشتوں میں سے ایک فرشتہ تھا اور یہ قول تو بعید از قیاس ہے۔

قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ موجود ہے۔ صاحب تفسیر الکاشف نے اس قصہ کو بیان کرنے کے بعد خلاصہ کے طور پر یہ لکھا کہ لوگوں کی اس واقعہ کے متعلق دو رائے ہیں۔ ایک گروہ وحی کا انکار کرنے والا اور دوسرا وحی پر ایمان لانے والا۔ اوّل الذکر گروہ نے نص قرآنی کے ظاہری معنی سے تجاوز کرتے ہوئے اسرائیلیات پر اعتماد کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ جنت دنیا میں ہی تھی اور اس کا نام جنت عدن تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حواؑ نے جس درخت کا پھل کھایا تھا وہ گندم کا تھا، انجیر کے پتوں سے انہوں نے اپنا بدن ڈھانپا تھا اور ابلیس جنت میں سانپ کے پیٹ کے ذریعے داخل ہوا تھا اور اسی طرح کی بے بنیاد باتیں۔ دوسرا گروہ غالباً صوفیہ کا ہے جو کہتے ہیں کہ اس واقعہ میں تمام چیزیں ماوراء الحس تھیں یعنی وہ درخت کی تفسیر امتحان (آزمائش) سے کرتے ہیں، اور شیطان سے مراد شہوت ہے وغیرہ۔ پھر صاحب تفسیر الکاشف اپنا درمیانی مؤقف یوں بیان کرتے ہیں:

"ونحن نقف موقفاً وسطاً بین الفئتین، فنؤمن اجمالاً بما أوحی به ظاهر النص من ان

الشجرة والسوءة والورق، كل ذلک كان من الكائنات الحسية، لأنها هى المدلول الحقيقي للفظ، ولاموجب للتأويل، ما دام العقل يتقبل المعنى الظاهر، ولا يرفضه.. ولا نتحدّث عن حقيقة جنة آدم، وانها كانت فى هذه الدنيا أو فى غيرها، ولا عن نوع الورق الذى ستر به آدم وحواء عورتيهما ولا عن شخص الشجرة، ولا كيف دلف ابليس الى الجنة، لأن هذه التفاصيل من علم الغيب، ولم ينزل بها وحى والعقل يعجز عن أدراكها"(۲۸)

صاحب تفسیر لکھتے ہیں کہ ہم نے ان دونوں گروہوں کے افراط وتفریط پر مشتمل موقف سے ہٹ کر ایک درمیانی راہ اختیار کی ہے کہ ہم نص قرآنی کے ظاہری معنی پر اجمالاً ایمان لاتے ہیں کہ بلاشبہ یہ درخت اور پتے تمام کی تمام چیزیں حسّی تھیں۔ کیونکہ جب تک عقل ظاہری معنی کو قبول کرے تو اس میں تاویل کرنا واجب نہیں۔ لیکن ہم اس کی حقیقت سے آشنا نہیں کہ وہ جنت کیسی اور کہاں تھی؟ اور نہ ان پتوں کی حقیقت کو جانتے ہیں جس سے آدم وحواؑ نے اپنے ستر کو ڈھانپا تھا کہ وہ کون سا درخت تھا؟ اور یہ کہ ابلیس جنت میں کیسے داخل ہوا؟ کیونکہ یہ تمام تفصیلات علمِ غیب سے ہیں اور نہ اس پر کوئی وحی نازل ہوئی اور ہماری عقل اس کے ادراک سے عاجز ہے۔

التفسیر الکاشف اور بظاہر متعارض آیات میں تطبیق:

الشیخ محمد جواد مغنیہ قرآن کریم کی ایسی آیات لے کر آتے ہیں جو بظاہر آپس میں متعارض ہوتی ہیں پھر بہت خوبصورتی کے ساتھ آپ نے اس کی تطبیق کی ہے۔ یہ اسلوب بھی ایسا منفرد ہے جو کہ دیگر تفاسیر سے اس کو ممتاز کرتا ہے۔ اس کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

ا۔ مفسر لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی تمام آیات محکم ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ﴾(۲۹) اسی طرح دوسرے مقام پر ہے کہ تمام آیات متشابہات ہیں: ﴿اللّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَاباً مُّتَشَابِهاً﴾(۳۰) اسی طرح تیسرے مقام میں قرآن کی صفات میں آتا ہے کہ اس کی بعض آیات محکم اور بعض متشابہات ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْ أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ﴾(۳۱)

مندرجہ بالا تینوں آیات کو درج کرنے کے بعد صاحب تفسیر سوال اٹھاتے ہیں کہ ان آیات میں بظاہر تضاد ہے اور تطبیق کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ پھر اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"ان المراد بقوله تعالى: ﴿ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ﴾ أنها احكمت في النظم والاتقان، وانها جميعاً فصيحة اللفظ، صحيحة المعنى، والمراد بقوله: ﴿كِتَاباً مُّتَشَابِهاً﴾ ان بعضها يشبه بعضاً في البلاغة والهداية، والمراد بقوله تعالى: ﴿ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ... وَأُخَرُ

مُتَشَابِهَاتٌ﴾ ان بعضها واضح المعنى لا يحتاج الى تفسير، وبعضها غامض يحتاج فهمه الى تفسير، والتفسير يحتاج الى المعرفة والعلم بالصناعة، كما أشرنا، فلا تهافت بين الآيات الثلاث بعد اختلاف الجهة"۔(۳۲)

مفسر تینوں آیات کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے ان میں ظاہری تعارض کو ختم کرتے ہوئے تطبیق کرتے ہیں کہ مذکورہ تینوں آیات کی تفسیر سمجھنے کے بعد ان کے درمیان اختلاف باقی نہ رہا۔

II. صاحب تفسیر ایک اور مقام پر اعتراض کی صورت میں لکھتے ہیں کہ آیت ﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾(۳۳) اور آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لاَ يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعاً فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾(۳۴) کے درمیان تم کیسے مطابقت کرو گے جبکہ پہلی آیت امر بالمعروف کو ضروری قرار دیتی ہے اور دوسری آیت اس کے برعکس ہے؟ مفسر یہ سوال اٹھانے کے بعد خود اس کا جواب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"المقصود بالآية الثانية ان من قام بفريضة الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر على الوجه المطلوب فلا يضره ضلال من ضل، واعراض من أعرض، ما دام قد أدى ما عليه: ﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلاَغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾" [الرعد۱۳:۴۰](۳۵)

یعنی دوسری آیت کا مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی امر بالمعروف ونهی عن المنكر پر عمل کرتا ہے تو اسے کسی گمراہ کی گمراہی نقصان نہیں پہنچا سکتی جب تک کہ وہ یہ فریضہ سرانجام دیتا رہتا ہے۔

III. ﴿يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْراً﴾(۳۶)

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے محمد جواد مغنیہ ایک اعتراض اٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ نے اس آیت میں مجرمین کا یہ قول بیان کیا ہے کہ ان لبثتم الّا عشرا جبکہ سورۃ الکہف کی آیت ۱۹ میں ہے ﴿قَالُوا لَبِثْنَا يَوْماً أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ اور سورۃ الروم کی آیت ۵۵ میں ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ﴾ ہے، تو ان آیات کے درمیان کیا تطبیق ہو سکتی ہے؟

تو اس کا جواب مفسر بحوالہ رازیؒ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان بعض المجرمين خطر بباله ان المدة عشرة أيام، والبعض الآخر انها يوم واحد، والذى يراه نحن ان كلمة العشر واليوم والساعة ليست حكاية لقول المجرمين بالحرف، وانما هي كناية عما تخيلوه من قلة المكث، وقصر الأمد، وانه تعالى عبّر عن ذلك بالعشر تارة، وبا لساعة أخرى، والى هذا يومىء قوله تعالى: ﴿يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا﴾ [الاسراء۱۷:۵۲]"(۳۷)

یعنی امام رازیؒ کے نزدیک آیات میں جو الفاظ عشر ، الیوم، الساعة استعمال ہوئے ہیں یہ مجرمین کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ یہ کنایہ ہے اس بات سے جو وہ دنیا کی زندگی میں تھوڑی دیر رہے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو کبھی عشر کبھی الیوم اور کبھی الساعة کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

IV. ﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً﴾(۳۸)

صاحب تفسیر مذکورہ آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ﴾(۳۹)

پہلی آیت میں لفظ عاصفة سے مراد شدید ہوا اور دوسری آیت میں لفظ الرخاء سے مراد نرم ہوا ہے تو ان کے درمیان کیا تطبیق ہے؟ جواب میں محمد جوادؒ لکھتے ہیں:

"انها تجري تارة شديدة، واخرى لينة حسبما يأمرها تماماً كسائق السيارة والطائرة"(۴۰)

V. ﴿يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُ وَمَا لَا يَنفَعُهُ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ﴾(۴۱)

صاحب تفسیر مذکورہ آیت کی تشریح میں ایک اعتراض اٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے معبودان سے نفع ونقصان کی نفی کی ہے جبکہ اس سے اگلی متصل آیت ﴿يَدْعُو لَمَن ضَرُّهُ أَقْرَبُ مِن نَّفْعِهِ لَبِئْسَ الْمَوْلَىٰ وَلَبِئْسَ الْعَشِيرُ﴾(۴۲) میں اس کا اثبات کیا ہے، یعنی اسے پکارتے ہیں جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔ تو ان کے درمیان کیا تطبیق ہے؟ مفسر اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

"المراد بالمعبود في الآية الأولى الاحجار، وهي لا تنفع ولا تضر، والمراد به في الآية الثانية طاعة الزعماء الطغاة، ومناصرتهم بقصد الربح والمنفعة، وأعظم منفعة في الحياة الدنيا لا تُعد شيأً بالنسبة الى غضب الله وعذابه"۔(۴۳)

یعنی پہلی آیت میں معبود سے مراد پتھر ہیں جو کہ نفع ونقصان نہیں پہنچاسکتے جبکہ دوسری آیت میں معبود سے مراد سرکش سرداروں کی اطاعت کرنا ہے جو کہ دنیاوی زندگی میں تو نفع کا سبب ہوسکتا ہے، لیکن اللہ کے عذاب اور غضب کی نسبت کچھ بھی نہیں ہے۔

VI. ﴿إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ﴾(۴۴)

صاحب تفسیر مذکورہ بالا آیت کی تشریح کرنے کے بعد وہ آیات درج کرتے ہیں کہ جن میں انبیاء کو ناحق قتل کرنے کا ذکر ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ جدید وقدیم انسانی تاریخ بھی ان واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں ہے کہ متقین ومخلصین پر مظالم ڈھائے جاتے رہے ہیں تو ان آیات کے درمیان کیا تطبیق ہے؟ مفسر جواب میں رقمطراز ہیں:

"ان آيات النصر تدل بسياقها على انها خاصة ببعض الأنبياء دون بعض، كنوح وهود

وصالح و لوط و محمدﷺ، ویومیء الی ذلک قوله تعالی: ﴿وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ﴾ [آل عمران۳:۱۳]'' (۴۵)

یعنی جن آیات میں انبیاء کی مدد کی جانے کا ذکر ہے تو سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بعض انبیاء کے ساتھ خاص ہے جیسے نوحؑ ،ھودؑ ،صالحؑ ،لوطؑ اور محمدﷺ ہیں۔

VII. ﴿وَلَا يُسْأَلُ عَن ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ﴾ (۴۶)

الشیخ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اللہ مجرمین کو بغیر حساب کے عذاب دے گا، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت اور سورۃ الحجر کی آیت ۹۲ ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ. عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ اور اسی مفہوم کی بہت سی دیگر آیات میں کیا تطبیق ہے؟ صاحب تفسیر اس اعتراض کا جواب تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''المراد بالمجرمین هنا الذین یعتدون علی حقوق الناس و حریاتهم، ویثیرون الفتن والحروب من أجل مصالحهم ومنافعهم، فهؤلاء هم الذین یدخلون النار بغیر حساب حتي ولو هللوا و کبروا، وعلیه یکون قوله تعالی: ﴿ وَلَا يُسْأَلُ عَن ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴾، مخصّصاً لقوله لنسألنهم أجمعین أی لو جمعنا بین القولین لکان المعنی لنسألنهم أجمعین الا من اعتدی علی حقوق الناس فانه یدخل النار من غیر سؤال.(۴۷)

یعنی پہلی آیت میں مجرمین سے مراد حقوق العباد اور لوگوں کی آزادی چھیننے والے لوگ ہیں اگر چہ وہ کلمہ پڑھنے والے ہی کیوں نہ ہوں اور ولا یسأل عن ذنوبهم المجرمون یہ خاص ہے لنسألنهم أجمعین سے۔اس اعتبار سے اگر ہم ان دونوں اقوال کو جمع کر دیں تو یہ مراد ہوگا کہ ہم تمام لوگوں سے سوال کریں گے مگر جنہوں نے لوگوں کی حق تلفی کی وہ جہنم میں بغیر سوال وجواب کے داخل ہوں گے۔

VIII. ﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (۴۸)

صاحب تفسیر اس آیت کے ضمن میں اعتراض کرتے ہوئے ایک اور آیت لکھتے ہیں ﴿یوم تشهد علیهم ألسنتهم﴾ (۴۹) ان دونوں آیات میں ایک جگہ پر مُردوں کا کلام کرنا ثابت ہے اور دوسرے مقام پر اس کی نفی ہے۔تو ان کے درمیان تطبیق کس طرح ہو سکتی ہے؟ مفسر جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' ان للعباد غداً مواقف لا موقفاً واحداً، یؤذن لهم بالکلام في بعضها دون بعض، قال تعالی: ﴿یوم یأتِ لا تکلّم نفس الّا باذنه﴾ [هود۱۱:۱۰۵]'' (۵۰)

یعنی قیامت والے دن لوگوں کے کئی موقف ہوں گے۔ان میں سے بعض کے بارے میں بات کرنے کی اجازت ہوگی اور بعض میں اجازت نہ ہوگی۔

حوالہ جات

۱۔ مغنیہ، محمد جواد، التفسیر الکاشف (بیروت، مطبعۃ دار الکتاب الاسلامی، ط۲۰۰۵م):۱/۶۔

۲۔ Retrieved August 12, 2009, from http://www.al-islam.org/kiswahili/pdf/Kaashif10.pdf

۳۔ التفسیر الکاشف:۱/۸۔

۴۔ ایضاً:۱/۹۔

۵۔ سیوطی جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن (مصر، مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، ط۱۳۹۸ھ):۱/۱۸۲۔

۶۔ التفسیر الکاشف:۱/۹۔

۷۔ البقرۃ۲:۷۸۔

۸۔ التفسیر الکاشف:۱/۱۳۴۔

۹۔ ملخص التفسیر الکاشف:۱/۱۰۔

۱۰۔ التفسیر الکاشف:۱/۲۰۔

۱۱۔ ایضاً:۶/۳۳۹۔

۱۲۔ ایضاً:۱/۴۲۔

۱۳۔ ایضاً:۳/۳۳۔

۱۴۔ ایضاً:۳/۲۰۵۔

۱۵۔ ایضاً:۵/۱۹۹۔

۱۶۔ ایضاً:۷/۱۰۶۔

۱۷۔ ایضاً:۱/۴۱۸۔

۱۸۔ ایضاً:۲/۲۸۳۔

۱۹۔ ایضاً:۲/۲۸۳۔

۲۰۔ ایضاً:۷/۱۶۵۔

۲۱۔ ایضاً:۷/۱۶۵۔

۲۲۔ ایضاً:۱/۱۴۔

۲۳۔ الانعام۶:۷۴۔

۲۴۔ التفسیر الکاشف:۳/۲۱۳۔

۲۵۔ ایضاً:۵/۱۴۲۔

۲۶۔ الکہف۱۸:۶۶۔

۲۷۔ التفسیر الکاشف:۵/۱۴۲۔

۲۸۔ ایضاً:۳/۳۱۴۔

۲۹۔ ھود۱۱:۱۔

۳۰۔ الزمر۳۹:۲۳۔

۳۱۔ ال عمران۳:۷۔

۳۲۔ التفسیر الکاشف:۲/۱۲۔

۳۳۔ آل عمران۳:۱۰۴۔

۳۴۔ المائدۃ۵:۱۰۵۔

۳۵۔ التفسیر الکاشف:۲/ ۱۲۶۔

۳۶۔ سورۃ طٰہٰ۲۰:۱۰۳۔

۳۷۔ التفسیر الکاشف:۵/۲۴۴۔

۳۸۔ الانبیاء۲۱:۸۱۔

۳۹۔ سورۃ ص۳۸:۳۶۔

۴۰۔ التفسیر الکاشف:۵/۲۹۳۔

۴۱۔ الحج۲۲:۱۲۔

۴۲۔ الحج۲۲:۱۳۔

۴۳۔ التفسیر الکاشف:۵/۳۱۵۔

۴۴۔ الحج۲۲:۳۸۔

۴۵۔ التفسیر الکاشف:۵/۳۳۲۔

۴۶۔ القصص۲۸:۷۸۔

۴۷۔ التفسیر الکاشف: ۶/ ۸۷۔

۴۸۔ یٰسین۳۶:۶۵۔

۴۹۔ النور۲۴:۲۴۔

۵۰۔ التفسیر الکاشف:۶/۳۲۱۔